بُرا بھلا کہنے اور منت سماجت کرنے پر وہ آئے اور ان میں ڈور گا بھی تھا ۔ انہوں نے پہلے تو باڑے کے اندر جانے سے انکار کر دیا کیونکہ دروازے کے پاس جاتے ہی ایسی متلی لانے اور سب کچھ باہر لانے والی بُو آئی کہ وہ فوراً پیچھے ہو گئے ۔ پھر دُھروا نے کچھ سوچا اور اپنی ٹھوڑی کے چند بالوں میں کھجلی کی اور پھر خود اندر جا کر اس نے مرے ہوئے بیل کی ٹانگوں کو سلما کی رسی سے باندھا اور اس کے سرے کو ہاتھ میں لئے باہر آگیا ۔

"اب یہاں سے اسے باہر کھینچ لو ۔۔۔" اس نے رسّی کا سرا ڈور گا کو تھما دیا ۔ "پر ذرا سہج سے اسے چوٹ نہ لگے ۔"

"یہ مرا نہیں ؟" ڈور گا حیران ہوا ۔

"مرا تو ہے پر یہ کوئی عام ڈنگر تو نہیں زیبو بیل ہے اور اس میں مانا بستا ہے تو اسے مرے ہوئے بھی چوٹ لگ سکتی ہے ۔"

سب زور لگانے لگے ۔

جب اس کا مردہ جُثہ باڑے سے باہر گھسٹتا ہوا آیا تو ڈور گا نے اسے حیرانی سے دیکھا ۔ اس نے ایسا سج دھج والا بیل موہنجو میں بھی نہ دیکھا تھا ۔۔۔ اگرچہ اس کی ہڈیاں نکلی ہوئی تھیں پر اس کی تھوتھنی اور سینگ دیکھنے والے تھے ۔ وہ ابھی ابھی مرا تھا اور جہاں جہاں ماس تھا ابھی ڈھلکا نہ تھا ۔۔۔

"دیکھو دیکھو ۔۔۔ اسے چوٹ نہ لگے ۔۔۔ سہجے سے" دھروا کہتا جاتا تھا ۔

زور صرف ڈور گا میں تھا باقی سارے تو مشکل سے اپنے آپ کو سنبھال رہے تھے اور اسی لئے جب ڈور گار کا تو سبھی رک گئے ۔ "سنو دھروا اس بیل کو گھسیٹ کر کیا کرنا ہے ؟"

"کرنا کیا ہے ۔۔۔ اسے ابھی تو ذرا دور لے جانا ہے ۔۔۔ باڑے سے پرے کھلے میدان میں ۔۔۔"

"گِدھوں اور کوؤں کے کھانے نوچنے کو ؟"

"نہیں نہیں ۔۔۔" دھروا ڈر کے مارے کانپا "ایسا مت کہو ۔۔۔ یہ سن لے گا ۔ مجھے ایسا کرنا پڑا ۔۔۔ ادھر ان کی بُو سے باقی بھی ڈھیلے پڑ رہے تھے صرف اس لئے میں نے سوچا کہ اسے ادھر رکھ دیں ۔۔ ہم اسے وہاں رکھ آئیں گے ۔۔۔"

"رکھ آئیں گے ۔۔۔" ڈور گا نے نا سمجھی میں سر کو ہلایا ۔ "اس کی سجاوٹ بناوٹ کرنی ہے وہاں کہ رکھ آئیں گے ۔ اس کے سارے جُثے کو کیڑے مکوڑے تو کھانے سے رہے ، گدھ

اور کوّے ہی کھائیں گے ۔۔۔ تو کیوں نہ ہم کھالیں ۔۔۔"

دھروا کا منہ تڑ سے کھلا جیسے کسی نے اس کا جبڑا چیر دیا ہو اس نے اپنی داڑھی کے چند بالوں کو ٹھوڑی سے چپکانے کی کوشش کی ۔ باقی لوگ بھی منہ کھولے ڈورگا کو دیکھنے لگے ۔ اس نے اپنی لنگی کی ڈب سے پتھر کا ایک تیز پھل نکالا اور بیل کے پاس جا کر اسے تھپکنے لگا ۔

"کیا ۔۔۔ کیا"۔۔۔ دھروا صرف اتنا کہہ سکا ۔

ڈورگا نے دستی کے اوپر پتھر کے پھل کو ماس میں اتارا اور پھر اسے سہج سہج کاٹنے لگا اور اس کے مردہ جثے میں سے گاڑھی رُت پتھر کے پھل اور ڈورگا کے ہاتھ پر پھیلنے لگی ۔

"تم بھی آؤ" ۔۔۔ وہ پل بھر کے لئے رکا اور دوسروں سے کہنے لگا ۔ "ہمارے پیٹ ماس کے لئے ترسے ہوئے ہیں اور ہم بھوک سے گرتے پڑتے ہیں تو اسے گِدھ اور کوّے کیوں کھائیں ۔۔۔ یہ ابھی مرا ہے اور اس کا ماس کھایا جاسکتا ہے"۔۔۔ وہ آگے ہوئے کہ ان کے پیٹ بھی پچکے ہوئے تھے ۔

اس کی تیز آواز ایسے آئی جیسے اس کے مہین اور بوڑھے جثے کو چیرتی ہوئی آرہی ہے ۔ "اسے کھاؤ گے ۔۔۔ اسے ۔۔۔ زیبو بیل کو ۔۔۔ تم تم ۔۔۔ یہ تمہیں کھاجائے گا ۔۔۔ میں کہہ رہا ہوں"

وہ جھجھک گئے ۔

"پہلے ہم اسے کھالیں" ۔۔۔ ڈورگا نے ایک بڑا حصہ کاٹ لیا تھا اور اسے کاندھے پر رکھتے ہوئے وہ بولا "پھر یہ کھاتا رہے ہمیں ۔۔۔ دھروا یہ تمہارا زیبو اب پکلی کی کچّی ہانڈی میں ایسے پکے گا کہ ساری بستی کے تتھنوں میں اس کے ماس کی باس رچے گی ۔۔۔"

"یہ تجھے کھاجائے گا" ۔۔۔ دھروا چیخا

"تم بھی آگے ہو کر اتار لو ۔ ابھی بہت ہے" ۔۔۔ ڈورگا نے جاتے ہوئے ان کو کہا جو جھجھک رہے تھے ۔ "تم گِدھوں اور کوؤں سے تو اچھے ہو اور اگر یہ پوتّر ہے تو ہمارے جسموں کو زور دے گا ۔۔۔ اتار لو"

جب وہ مُردہ بیل کی جانب بڑھے اور ان کے ہاتھوں میں بھی پتھر کے تیز دھار پھل تھے تو دھروا نے منہ پرے کر لیا اور کہا ۔۔۔ "میں بھی بہت دن سے بھوکا ہوں ۔۔۔"

پاروشنی کی آنکھ کھلی تو دھوپ اس کے چھپر سے نیچے ہو چکی تھی ۔

جب وہ ایک بستی تھے اور کام کاج کرتے تھے اور ان کی سویریں تھیں اور دوپہریں اور شامیں تھیں تب اس چھپر پر اترتی اور ڈھلتی دھوپ اسے دن کے پہر بتاتی تھی اور وہ اس کی طرف دیکھتی رہتی تھی ۔ پر اب اس کے لئے اور بستی والوں کے لئے دھوپ ایک ہی جگہ ٹھہری ہوئی تھی ۔۔۔ انہوں نے نہ کہیں آنا تھا اور نہ جانا تھا ۔۔۔ وہ پڑے اونگھتے رہتے اور آنے والے دنوں کے بارے میں سوچتے رہتے کہ وہ کیسے ہوں گے ۔ اور تب کیا ہوگا اور کبھی بھی ان کے سر میں نہ آتا کہ کیا ہوگا ۔۔۔ وہ اپنے چھپروں میں پڑے رہتے ۔ ان کے بال بچے چھدرے اور گرتے ہوئے رکھوں میں چلے جاتے اور جو وہاں سے ملتا لے آتے ۔۔۔ جو ابھی انہی دنوں کی جم پل تھے وہ اپنی جننے والیوں کی چھاتیوں پر منہ رکھے رہتے ، وہ اپنا منہ چلا چلا کے تھک چکے تھے اور ان میں دودھ کی ایک بوند نہ تھی ۔۔۔ تو پاروشنی بھی دوپہر سے اپنے تھڑے پر ایسے اونگھ رہی تھی اور اب جاگی تھی تو دھوپ چھپر سے نیچے ہو چکی تھی ۔۔۔ ورچن شائد دریا کو جا چکا تھا ۔۔۔ اس کی جگہ خالی تھی ۔۔۔ اسے ایک آواز آئی ۔۔۔ اندر سے کنویں والے کمرے میں سے ہلکی گونج کے ساتھ باہر آئی جیسے بوکا پانی میں گرتا ہے ۔۔۔ اور یہی آواز تھی کہ بوکا پانی میں گرتا تھا اور اسی کو گونج تھی ۔۔۔

اسے کتنا پانی چاہئے جو بار بار بوکا گرا کر پانی بھرتا ہے ۔۔۔ پاروشنی نے پاسا پلٹا ۔ تھوڑی دیر بعد وہ اٹھی اور راہداری میں سے ہوتی ہوئی اس کمرے میں آگئی جہاں گہری سیاہی تھی ٹھنڈی اور چپ ۔۔۔ اور ورچن کنویں کی منڈیر پر جھکا نیچے دیکھتا تھا ۔ پاروشنی نے اپنے لیڑے الگ کر کے منڈیر پر رکھ دیئے اور اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی ۔ "دو چار بوکے مجھ پر ڈال کر میری آلکس کو دور کرو ۔"

ورچن نے سلما کی رسی کو کھینچا اور بوکا باہر نکال کر پاروشنی کے سر پر اونچا کیا ۔۔۔ پاروشنی

سر کو دونوں ہتھیلیوں میں تھامے جھکی ہوئی انتظار کرنے لگی کہ ٹھنڈا پانی اس کے بالوں میں گر کر پھر سست جتے پر گرے اور نیند کو دور کرے ۔ "۔۔۔ ورچن ۔۔۔" جب پانی نہ گرا تو اس نے اوپر دیکھا ۔

ورچن نے بوکا الٹا کر خالی کر دیا ۔ وہ جانتی تھی کہ پانی ٹھنڈا ہو گا پر پھر بھی اس کا جتہ تیار نہ تھا اور وہ کانپنے لگی ۔ دوسرے بوکے نے اسے ٹھیک کر دیا ۔

"تم کیا کرتے تھے بار بار بوکا کنویں میں گرا کر" ۔۔۔ اس نے پوچھا ۔

ورچن پوری طرح دکھائی نہیں دیتا تھا ۔ اندھیرا تھا اور وہ اس اندھیرے میں بولا "کچھ نہیں ۔۔۔ اپنی آلکس کو دور کرنے کے لئے پانی بھرتا تھا" ۔

"تم پانی بھرتے نہیں تھے" ۔۔۔ پاروشنی ہاتھوں میں سر جھکائے بیٹھی تھی اور اندھیرے میں اس کا گیلا پنڈا تھوڑا تھوڑا لشکتا تھا پر جیسے بجھنے کو ہو ۔ "تم بار بار بوکا کنویں میں ڈالتے تھے اور اس کی وہ آواز سنتے تھے جو پانی پر گرنے سے باہر آتی تھی ۔۔۔ تم پانی بھرتے نہیں تھے صرف آواز سنتے تھے" ۔

ورچن چپ کھڑا رہا ۔

"میرے پنڈے کو ابھی پانی چاہیے اور تم رک گئے ہو ۔"

اس نے بوکا کنویں میں گرایا اور چھپاک کی آواز اور اس کے بھاری ہونے پر اسے باہر کھینچنے لگا ۔

"آواز کیوں سنتے تھے ؟"

"ایسے ہی ۔۔۔ بس ایسے ہی" ۔ وہ جیسے نڈھال ہو کر کہتا ہو ۔

"تم دیکھتے تھے کہ کنویں کا پانی بھی نیچے ہو گیا ہے ۔۔۔ اور تم دیکھتے تھے کہ کتنا نیچے ہوا ہے ۔۔۔ ایسا ہونا تھا ۔ ایسا بہت کچھ ابھی ہونا ہے پر تم میرے جتے پر پانی ڈالتے رہو ۔ اتنا تو اس کنویں میں ہے کہ مجھے ٹھنڈا کر سکے ۔۔۔ کیوں ورچن ؟،،

اس نے خاموشی سے بوکا اس کے جھکے ہوئے سر پر الٹا دیا ۔

دھوپ گلی سے بھی جا چکی تھی اور پتہ نہیں چلتا تھا کہ سویر ہونے کو ہے یا شام اترنے کو ہے ۔۔۔ وہ دونوں باہر آئے تو تین چار کتے بھاگتے ہوئے ان کے پاس آئے اور ان کے پاؤں میں لوٹنے لگے ۔۔۔ وہ ایک عجیب سی دردناک آواز نکالتے تھے اور ان کے پاؤں میں لوٹتے تھے ۔ ورچن نے بڑی مشکل سے انہیں پرے کیا ۔

"ان کے پیٹ بھی پچکے ہوئے ہیں" ۔۔۔ ورچن بولا "بستی میں کہیں کوئی ہانڈی ٹکر نہ ہو تو ان کے پیٹ بھی ساتھ لگیں گے"۔

پہلے شام اترنے کو ہوتی تو لوگ کھیتوں سے لوٹتے ۔ ماتی کے پتروں کی گڈ کی دگڑ دگڑ دور سے سنائی دیتی ۔ کچھ دریا کنارے ٹھہر جاتے اور چُہلیں کرتے اور کچھ گلی کے کونے میں دیوار سے ٹیک لگا کر باتیں کرنے لگتے اور جب تک ان کے تھنوں میں ہانڈی پکنے کی باس نہ آتی وہ وہیں کھڑے رہتے ۔ لیکن اب وہ بہت کم باہر نکلتے ۔۔۔ ہاں ان کے بچوں کے رونے کی آوازیں گلی میں ٹھہری دھول کو پار کر کے بستی میں پھیلتی رہتیں ۔

انہوں نے دور سے دیکھا کہ سمرو وہیں پر ہے جہاں وہ ہر شام بیٹھتا تھا ۔ اور انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ پچکلی کے آوے میں سے دھواں اٹھ رہا ہے پر یہ آوے کے چڑھنے کا نہ تھا بلکہ اس چولہے کا تھا جس پر زیبو بیل کا ماس پکتا تھا اور اس کے گرد پچکلی کے دونوں بچے بیٹھے تھے اور وہ بار بار اپنے منہ میں پھوٹتے سواد کو نگلتے تھے ۔

وہ سمرو کے ساتھ ہو کر بیٹھ گئے ۔ اس نے ایک ڈھیم اٹھا کر پورے زور سے دریا پر پھینکی اور وہ گری تو ہلکی سی آواز آئی جیسے پاروشنی کے کنویں میں سے بوکا گرنے سے آتی تھی ۔

"ہم کیسی حیاتی کر رہے ہیں ؟" سمرو اپنے آپ میں گم تھا ۔ "وہ بیج تو ختم ہوا جس کے گرد اگرد ہم سویر اور شام کرتے تھے ۔۔۔ اور اب ہم بیل ہیں کیا کہ اپنے باڑے میں پڑے ہیں اور چارے کے بغیر ہمارا ماس سوکھتا جاتا ہے ۔۔۔ ہم نے اپنے ڈھنگ کو پانی پر بنایا تھا اور اگر وہ ہمارے کھیتوں تک نہیں آتا تو کیا ہر شے ختم ہو گئی ؟ باقی تو سب کچھ ہے ۔ ہم ایسے کیوں ہو گئے ہیں ۔۔۔ ہم کس کی اڈیک میں ہیں ؟"

"میری سمجھ بُوجھ میں یہ بات نہیں آ رہی سمرو" ۔۔۔ ورچن اس کے پاس ہوا "کہ یہ بستی والے کیا چاہتے ہیں ۔ آخر کو یہ کیا کریں گے اور جو بھی کریں گے اس بارے ابھی سے سوچ بچار کیوں نہیں کر لیتے" ۔۔۔

"سب پڑے ہیں آلکس سے ۔۔۔ ان کے چولہے ٹھنڈے ہیں بھڑولے خالی ہیں اور گلیوں میں دھول ہے ۔ کھیت سوکھ چکے اور چھوٹی موٹی بُوٹیاں بھی ختم ہو چکیں تو کیا یہ لوگ بس ادھر دریا کے پار جانے کی اڈیک میں بیٹھے ہیں ۔۔۔ اپنے اپنے مرتبانوں کی اڈیک میں ہیں جن میں ڈال کر انہیں مٹی میں دبایا جائے گا ۔۔۔ یہ کیا کریں گے"۔

"یہاں کوئی ہو گا تو کسی دوسرے کو مرتبان میں ڈال کر دبائے گا ۔" سمرو نے کہا ۔

"گھاگھرا کے ساتھ ساتھ کوئی یہی ایک بستی تو نہیں اور بھی ہیں ۔۔۔" ورچن سر جھکاتے ہوئے بولتا تھا ۔

"اور وہاں کے لوگ بھی بڑے پانی کے آگے آگے چلتے تھے ۔ وہ تو ایسے نہیں بیٹھ گئے ہوں گے ہماری طرح ۔۔۔ کالی بنگن میں ۔۔۔"

"اپنی بستی تمہیں بری لگتی ہے کیا"؟ پاروشنی تیز دھار میں بولی "تم اسے چھوڑ کر کالی بنگن چلے جاؤ ۔۔۔ ہمیشہ سے تم ایسے رہے ہو ۔ تم نے جڑیں نہیں پکڑیں ۔ کنویں میں بھی پانی کم ہو رہا ہے تو کیا ہوا ۔۔۔ ہماری فصلیں نہیں ہیں تو کیا ہوا ۔۔۔ ایسا پہلے بھی تو ہوا ہو گا اور بستی والوں نے وہ وقت گزارا ہو گا کسی نے کسی حیلے سے ۔۔۔ اگر نہ گزارا ہوتا تو ہم نہ ہوتے ۔ تو ہم بھی ذرا بھوک کاٹ کے بے آرام رہ کر یہ وقت کاٹ لیتے ہیں ۔۔۔"

"کب تک ؟" ۔۔۔ ورچن نے کہا ۔

"جب تک سب کچھ پھر سے نہیں پھوٹ آتا ۔۔۔ ہمارے کھیتوں پر ہریاول نہیں بچھ جاتی اور ہمارے کنووں کا پانی پھر سے اوپر نہیں آجاتا ۔ اور ایسا ہو گا ۔ اگر اتنے برسوں سے مینہ نہیں ٹُترا تو ایسا پہلے بھی ہوا ہو گا اور پھر آخر کو مینہ برسے گا ۔۔۔ ہمارے پاس دریا ہے اور ۔۔۔"

"یہ بھی نہیں ہے ۔۔۔"

پاروشنی تیزی سے کچھ بولنے لگی پر ایک ہچکی کے ساتھ اس کا منہ بند ہو گیا اور آنکھیں چوڑی ہو گئیں اور اس کی آنکھوں میں لالی تیرتی تھی اور پھر وہ بے حد دھیمی پڑتے ہوئے بولی ۔ "دریا بھی نہیں ہے ؟"

"تمہیں یاد ہے میری جھجھر میں پانی کم ہو جاتا تھا۔ جتنا ہونا چاہیے تھا اتنا نہیں ہوتا تھا اور یہ میری سمجھ بوجھ سے باہر ہوتا تھا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے ۔۔۔ یہ گرمی تھی ۔۔۔ دھوپ پہلے سے تیز ہو گئی تھی ۔ اور سہجے سہجے ادھر بستی میں رکھوں میں اور ان کے آس پاس ہر طرف کئی کئی کوس تک اور جانے وہاں تک جہاں سے گھاگھرا آتا ہے گرمی بڑھ گئی تھی ۔ سہجے سہجے اور ہمیں پتہ نہیں چلا ۔۔۔ اس گرمی نے زمین میں سے اور پودوں میں سے اور رکھوں اور بندوں میں سے نمی کو چوسا ۔۔۔ اور ہم جان نہ سکے ۔ اور یہی خشکی اور گرمی رات کو میری جھجھر کا پانی کم کرتی تھی ۔۔۔ وہ پانی ہوا میں گم ہوا تھا جو میری جھجھر میں تھا ۔۔۔ اور تبھی میں دریا پر آتا تھا اور اسے دیکھتا تھا کہ اگر ہوا میں جو تپش ہے وہ میری جھجھر کا پانی چوس سکتی ہے تو پھر وہ اس پھیلے

ہوئے دریا کو بھی ۔۔۔ اور میں اسی لئے ادھر آتا تھا ۔ دریا کو دیکھنے کہ یہ کم ہوا یا نہیں ۔۔۔ یہ کم تو ہو رہا تھا پر ہم جان نہیں سکے تھے ۔۔۔ یہ کم ہونے کو ہے"

"دریا ۔۔۔ بھی سوکھ رہا ہے"۔ پاروشنی کے اندر بہت سارا شور ہوا جیسے پہاڑوں پر پھیلے سیاہ رکھوں کے ذخیرے میں بے انت بارشیں گر رہی ہیں اور پانی کے برسنے اور گرنے کا اور بہنے کا شور ہے اور پھر یہ سارا شور سہجے سے چپ ہو گیا ۔ ایسے چپ ہوا کہ صرف پاروشنی کا بھاری سانس چلتا تھا اور ان کے سامنے دریا تھا جو اس سانس کو سنتا تھا ۔

"ادھر دیکھو ۔۔۔" سمرو نے پاروشنی کی آنکھوں کے برابر اپنا ہاتھ لا کر دریا کی جانب کیا ۔ کنارے سے کچھ دور جہاں ڈوبو پانی ہوتا ہے وہاں پانی کی ہموار سطح پر ایک بڑے کچھو کی گول پشت تنگی ہو رہی تھی ۔۔۔ کچھو دریا کی تہہ پر تیزی سے چلتا تھا تاکہ اپنی تنگی پشت کو پانی سے ڈھک لے پر ادھر اب اتنا ہی پانی تھا ۔

آندھی کو گزرے ہوئے بہت دن بیت گئے پر ماسا اس سوکھی ہوئی ٹہنی کے گرد ایسے لپٹا رہا کہ دور سے یہ نہ جانا جائے کہ یہ اگر ٹہنی ہے تو ماسا کونسا ہے اور اگر ماسا ہے تو ٹہنی کہاں ہے اور لگتا یہی تھا کہ کوئی سوکھتا رُکھ ہے اور اس کی دو سوکھتی ٹہنیاں ہیں ۔۔۔ ایسا بھی ہوا کہ اس پر کبھی کوئی بھولا بھٹکا پکھیرو بھی آ بیٹھا اور بالکل نہیں ٹھٹھکا کہ وہ اسے ٹہنی جان کر ہی بیٹھا تھا۔ کیڑے مکوڑے تو اس پر سے گزر کر آتے جاتے رہتے ۔ البتہ جب کبھی کوئی چھپکلی یا رینگنے والا کوئی اور جنور اس پر سے رینگتا گزرتا تو اس کے سوکھے ہوئے ماس میں ایسے تھوڑی سی حرکت ہوتی کیونکہ ماسا کو رینگنے والے جنوروں سے بڑی نفرت تھی ۔۔۔ تو وہ وہاں ٹہنی کے گرد لپٹا رہا اور اگر ٹہنی ایسے رُکھ کی نہ ہوتی جو سوکھ چکا تھا تو شائد وہ خود بھی پھوٹ کی رُت میں اس کے ساتھ پھوٹ پڑتا ۔۔۔ اس کے نیچے رکھوں میں اور ان کے نیچے زمین پر نری ویرانی تھی اور سوکھے پتے تھے جو کبھی کبھی سرسراتے اور پھر اپنی سرسراہٹ میں ہی گم ہو جاتے اور ان میں ٹہنیاں پنجروں کی طرح ابھرتی تھیں ۔ اب وہاں گھاس پھونس بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ گنتی کے چند رکھ تھے جو ڈھیٹ بنے پتّے بناتے اور ٹہنیاں نکالتے تھے نہیں تو سارے میں سوکھے کی ایک سوکھی کڑکڑاہٹ تھی جو رکھوں کے تنوں میں سے ایسے نکلتی جیسے وہ بولتے ہوں اور وہ مر رہے ہوں ۔ سوکھتی لکڑی میں سے نکلنے والی یہ کڑکڑ کی آواز رات کے وقت رکھوں کے اندر ہولے ہولے گھومتی جیسے دیکھنے آئی ہو کہ میرے بعد ابھی کتنے باقی ہیں ۔۔۔ چند برس پہلے یہاں رکھوں کے نیچے شام سی رہتی تھی اور اب وہاں سوکھے پتوں پر دھوپ ایسے نکلتی تھی جیسے شکر دوپہر ہو کیونکہ یہی پتے جب اوپر شاخوں کے ساتھ تھے تو اسے روکتے تھے اور اب نیچے گرے تو اسے اپنے ساتھ ہی لے آئے دھوپ کو ۔

"می آؤں ۔۔۔" مور کی مرتی ہوئی آواز شائد ماسا نے ہی سنی ۔

ریت رُکھوں میں اب رکتی نہ تھی ۔۔۔ پہلے وہ رینگتی تھی پر اب کوئی دیکھنے والا ہوتا تو

دیکھتا کہ وہ کیسے سوکھے ہوئے رکھوں کے گرد پھیل کر انہیں اپنے ساتھ ملاتی تھی اور کیسے وہ بڑھتی تھی اور رکھ گھٹتے تھے اور انہی رکھوں میں ماسا اور چیوا تھے پر ماسا تو وہیں تھا اور آندھی کو گزرے ہوئے بہت دن بیت گئے پر وہ اس سوکھی ہوئی ٹہنی کے گرد لپٹا رہا ۔۔۔

چیوا کئی بار اسے گم کر دیتا ۔۔۔ اسے یاد نہ رہتا کہ ماسا کونسی ٹہنی کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور کہاں ہے ۔ کئی بار وہ کسی ایسی ٹہنی کے نیچے جا کر اسے آوازیں دینے لگتا جس کے ساتھ کوئی اور ٹہنی چمٹی ہوتی اور وہ اسے ماسا سمجھ بیٹھتا ۔ اب دور سے تو بالکل پتہ نہیں چلتا تھا کہ ماسا کونسا ہے اور ٹہنی کونسی ہے ۔ دونوں سوکھے ہوئے تھے اور ہلتے تو صرف تب جب پورا رکھ ہلتا ۔ پھر بھی چیوا اندر سے بڑا شانت تھا کہ وہ ہے تو سہی ۔۔۔ وہ جو اس سے پہلے رکھوں میں آیا اور اس کے لئے راستہ بنایا ۔ پہلے تو یہ ہوا کہ آندھی کے فوراً بعد چیوا نے اس ٹہنی کی طرف دیکھا جہاں ماسا بیٹھا پیلو کھا رہا تھا تو وہ وہاں نہیں تھا ۔ وہ نہ نیچے گرا ہوا تھا اور نہ کسی رکھ میں اٹکا ہوا تھا بس گم ہو چکا تھا تو چیوا نے یہی سمجھا کہ اب وہ گیا دریا کے پار اور اسے بڑا دکھ ہوا ۔ وہ رکھوں میں اکیلا رہ گیا تھا اور وہ بڑا رویا اور اس نے اتنے بین کئے کہ بوڑھا مور بھی تنگ آگیا کہ یہ کیوں مجھے چین سے مرنے نہیں دیتا اور وہ یہی بین کرتا کہ اگر تو ادھر میرے پاس ہوتا تو تجھے گاگری کی طرح میں ایک بڑے برتن میں دباتا وہیں جہاں وہ ہے اور بچہ ہے جس کے پیچھے پیچھے گاگری چلی گئی ۔۔۔ اور ایسے وہ بہت دن بین کرتا رہا اور جو ہر رات وہ پانی پینے کے لئے رکھوں سے نکل کر گھاگھرا کو جاتا تھا تو وہ وہاں بھی نہ گیا اور پیاسا ہی بیٹھا رہا کہ اسے ماسا کے مرنے کا بڑا دکھ تھا اور ایک روز ایسا ہوا کہ اس کا گلا بیٹھ چکا تھا اور وہ ایک رکھ کے نیچے کھڑا ہو کر "ہا ۔۔۔ مامن ماسا ۔ ہا مامن ماسا" کے بین کر رہا تھا اور رُوئے جا رہا تھا تو اوپر سے کسی نے مدھم سی آواز میں کہا "چیوا چُپ کر" ۔۔۔

اس پر چیوا چپ تو ہوا پر اس کے اندر ڈر آیا کہ یہ کون ہے ؟ کیا یہ رکھوں کی روحیں یکشنی ہیں جو اسے کہتی ہیں کہ چپ کر پر اسے لگا کہ آواز ایسی ہے جو اس نے کہیں سنی ہے ۔۔۔ اس نے اوپر دیکھا تو بہت اوپر ایک سوکھی ہوئی ٹہنی تھی ٹیڑھی میڑھی اور اس کے ساتھ ایک اور ٹہنی لپٹی ہوئی تھی اور جب اس نے بہت دیر تک اسے دیکھا تو اس لپٹی ہوئی ٹہنی میں ماسا کی پتلی پتلی دو ٹانگیں اور دو ہاتھ تھے ۔ اور کھوپڑی تھی پر اسی رنگت کی جیسی اس ٹہنی کی تھی ۔

"مامن ماسا ۔۔۔" اس کی باچھیں کھل گئیں اور وہ تیزی سے رکھ پر چڑھنے لگا تاکہ اپنے مامن کو وہاں سے اتار لائے پر ابھی وہ اس کے قریب نہ ہوا تھا کہ ایک بار پھر اس کی مہین آواز آئی "چیوا پرے رہ" اور چیوا وہیں رک گیا جہاں تھا ۔

"کیوں مامن ؟" اس نے پوچھا ۔

"میں اب یہیں رہوں گا ۔۔" مدھم سی آواز آئی ۔

"پر کیوں ؟"

"رکھ کہیں آتا جاتا نہیں ۔۔۔ میں رکھ ہوں" ماسا نے کہا ۔

چیوا نے جانا کہ اس آندھی کی وجہ سے مامن ماسا تھوڑا اور ہل گیا ہے اور چند روز میں ٹھیک ہو کر نیچے آجائے گا اور وہ دونوں ایک مرتبہ پھر اکٹھے اچھلیں کودیں گے ۔۔۔ پر ایسا نہ ہوا ۔ وہ روزانہ سویرے اور شام کو ادھر آتا اور اس کے نیچے کھڑا ہو جاتا "مامن ماسا آجاؤ ۔۔۔"

"جاؤ ۔۔۔ چیوا جاؤ" ۔۔۔ اور چیوا سر جھکا کر چلا جاتا ۔ وہ یہ نہیں کر سکتا تھا کہ ماسا کا کہنا نہ مانے ۔۔۔

"پر مامن تم ادھر کھاتے پیتے کیا ہو ؟" ایک روز چیوا نے پوچھا ۔

"جو کچھ رُکھ کھاتے پیتے ہیں ۔۔۔ میں بھی تو رکھ ہوں"

"پر یہ تو سوکھ رہے ہیں ۔۔۔"

"تو میں بھی سوکھ رہا ہوں ۔۔۔"

چیوا سر جھکاتا اور چلا جاتا اور اسی طرح کئی بار ایسا ہوا کہ وہ اس جگہ آیا جہاں اوپر مامن ماسا تھا اور وہ سوکھی ٹہنیوں میں اتنا گھلا ملا ہوتا کہ بڑی دیر تک اسے پتہ نہ چلتا کہ وہ کہاں ہے اور کس ٹہنی کے ساتھ ہے اور وہ منہ اٹھا کر بولنے لگتا ۔ ادھر سے جواب آتا تو وہ جانتا کہ وہ جو اوپر دائیں ہاتھ پر ٹہنی ہے تو وہ اصل میں ٹہنی نہیں ماسا ہے ۔۔۔ کئی بار جواب نہ آتا تو وہ جانتا کہ وہ جو اوپر ٹہنی ہے تو اصل میں بھی ٹہنی ہے ۔۔۔ پر چیوا مامن ماسا کے بارے میں اپنے آپ کو پریشان کرتا تھا کہ اس کا کیا بنے گا ۔۔۔ ریت رکھوں میں پھیل رہی تھی اور جس رکھ کے ساتھ ماسا چمٹا ہوا تھا ادھر سے ریت ہر روز نزدیک ہو رہی تھی اور سوکھے ہوئے درخت گر رہے تھے اور ریت ان پر اپنی تہیں سرکاتی ہوئی آگے آرہی تھی ۔۔۔ چیوا چاہتا تھا کہ مامن ماسا نیچے آجائے یا اس ٹہنی کو چھوڑ دے یا وہ ٹہنی اسے چھوڑ دے اور وہ دونوں رکھوں کے اندر کہیں چلے جائیں ریت سے دور ۔۔۔ پر رکھ اب بڑے تھوڑے سے تھے اور ریت بہت ہو رہی تھی ۔۔۔ کچھ تو سوکھے کی بنا پر اور کچھ اس آندھی کی وجہ سے جو آئی اور پھر رکھوں میں اور بستی کے اوپر اور اس کے چپیروں میں اور گھاگھرا پر اور مٹی ہوتے کھیتوں پر آس پاس ہر جگہ چلتی رہی اور اس میں ریت بہت تھی ۔ باڑ کا مہینہ یوں تو کبھی خالی نہیں جاتا تھا ، دو چار آندھیاں ضرور آتی تھیں اور ایسے آتی

تھیں کہ ہر سو اندھیرا چھا جاتا تھا ، دن میں رات پڑ جاتی تھی پر اس بار ۔۔۔ کچھ اور ہوا ۔۔۔ جس روز پاروشنی ورچن اور سمرو نے گھاگھرا کے کم ہوتے پانیوں میں ایک کچھو کی تنگی پیٹھ دیکھی تھی کہ وہاں اتنا پانی نہ تھا کہ وہ اسے ڈھک سکے تو اس روز کے کئی مہینے بعد باڑ کے بیچ میں وہ آندھی اٹھی اور سب نے اسے اپنے سانسوں میں بھر بھر کر خوشی سے اور بھیگتی آنکھوں سے اپنے اندر اتارا کہ اب جو آندھی آئی ہے تو اس کے ساتھ مینہ بھی ہو گا پر ایسا ہوا نہیں اور آندھی کے ساتھ ریت تھی جو اندھیرا کرتی تھی ۔۔۔ اور ایسا پہلی بار ہوا کہ ہوا میں ریت ہو ۔ اس آندھی نے چھپر اڑائے جو ریت کی ہوا میں اڑتے گھاگھرا میں جا گرے اور لوگ اپنے سر گھٹنوں میں چھپائے آنکھیں بند کئے بیٹھے رہے ۔۔۔ اور یہ بہت دیر نہیں چلی ۔ بس اٹھی ، چلی اور پھر تھم گئی ۔ لوگ گھروں سے نکلے اور گلی میں پڑی اپنی چیزیں اٹھا اٹھا کر واپس لانے لگے جو آندھی سے اڑ کر ادھر ادھر ہو گئی تھیں ۔ آسمان بھی صاف ہو گیا ۔ پر ایک عجیب بات ہوئی کہ مینہ کی ایک بوند بھی نیچے نہ آئی اور ریت کی ایک موٹی تہ ہر سُو بچھی ہوئی تھی ۔ ویہڑوں میں ، گلی میں ڈوبو مٹی پر ۔ گھاگھرا کے کنارے ۔ سروٹوں کے پتّوں پر ۔ چھپروں کی دیواروں کے ساتھ اس کے ڈھیر تھے ۔۔۔ اور وہ کھیت جہاں خشک مٹی اڑا کرتی تھی وہ سارے کے سارے ریت سے پدھرے ہو گئے تھے ۔ مٹی کم دکھتی تھی ۔۔۔ بستی کے آس پاس کئی جگہ پر جہاں کہیں ٹبّے ٹوئے تھے وہ سب ریت نے بھر دیئے تھے ۔۔۔ ریت بچھنے سے یہ ہوا کہ سب کچھ ایک سا اور ایک ہی رنگ کا ہو گیا اور کئی روز تک راستے نہ ملے کہ وہ دب چکے تھے اور لوگ انہیں بھول جاتے ۔۔۔ اسی آندھی میں ماسا سوکھی ٹہنی کے ساتھ چمٹا تھا اور پھر اسے چھوڑتا نہیں تھا ۔ ریت رکھوں پر بھی برسی تھی اور سوکھے پتوں اور ان پر ڈھیر ہوتی ٹہنیوں اور شاخوں پر بھی جمی ہوئی تھی ۔۔۔ پانی کے تالاب تو کب کے خشک ہو گئے تھے ۔۔۔ چیوا جھیل کی طرف بھی گیا تھا اور وہاں جہاں پانی ہوا کرتے تھے وہاں ریت تھی جو باہر سے اڑ کر آتی تھی اور دھیرے دھیرے پرندوں کی ہڈیوں کے ڈھیر میں گرتی تھی ، اسے ڈھانپتی تھی پر یہاں وہاں کہیں کہیں اب بھی کوئی ہڈی ریت سے باہر نکلتی تھی ۔

چیوا ، ماسا کے بارے میں فکر کرتا تھا ۔

وہ کئی دن سے پانی پینے بھی نہیں گیا تھا ۔۔۔ اس رُکھ کے آس پاس رہتا جہاں ماسا تھا ۔۔۔ پکھیرو بھی کم ہو رہے تھے اور جنور تو اب تھے نہیں ۔۔۔ پر وہ وہاں ابھی تک تھا ۔۔۔ ڈکراتا ہوا اور اس کی موجودگی وہاں سارا وقت ٹھہری رہتی ۔

اور جن دنوں میں بڑے پانی آیا کرتے تھے اور انہیں ہرا کرتے تھے انہی دنوں میں بستی کا پہلا بچہ بھوک سے نڈھال ہوا اور ڈھلک گیا ۔

اس روز شام جب اترتی تھی اور وہ اسے پتھروں کے راستے میں ایک اور پتھر بنا کر واپس آرہے تھے تو ہر ایک کے دل میں اس بستی کو چھوڑنے کا خیال آیا ۔۔۔ ان میں سے صرف ورچن تھا جو باہر گیا تھا نہیں تو سب کے سب کبھی دور نہیں ہوئے تھے ۔ انہیں پتہ نہیں تھا کہ کہاں جائیں گے پر انہیں یہ پتہ تھا کہ اب یہ سب ریت ہو گا اور سوکھا ہو گا اور یہاں حیاتی گم ہو گی تو ادھر سے جانا چاہیے ۔۔۔ ان کے بھڑولے اور گھڑے کنک اور باجرے اور دالوں کے آخری دانے سے خالی ہونے کے بعد بہت دن گزر چکے تھے ۔۔۔ وہ ان میں ہاتھ لٹکا کر دیکھتے کہ شائد وہاں کچھ ہو پر وہاں کچھ نہ تھا ۔۔۔ اب ان کے پاس کچی چار دیواریاں تھیں اور ان کے چھپر گلی میں اور پرے لنگ ٹیلے کے پاس ریت میں پڑے تھے اور ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ انہیں اٹھا کر لائیں اور اپنے آپ کو تیز دھوپ سے بچائیں جواب جلاتی تھی ایسے کہ وہ چمڑی کو خشک کر کے ایسے کڑکڑاتی تھی جیسے سوکھی ٹہنی کڑکڑاتی ہے ۔۔۔ کھانے کو کچھ نہ تھا ، پانی تھا جو ان کے اندر جا کر بھوک کو تھوڑی دیر کے لئے ڈبوتا اور جو پھر سوکھ کر ہونٹوں پر پپڑیوں کی صورت میں جم جاتی ۔

انہی دنوں جب دھروا پانی لینے کو جا رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ لنگ ٹیلے کے قریب لنگ کے ٹکڑے پڑے ہیں ، کسی نے اسے توڑ دیا تھا ۔۔۔ اس کے زیبو بیلوں میں سے صرف چار باقی رہ گئے تھے اور وہ بھی بیل کیا تھے پنجر تھے جو نیم تاریک باڑے میں پڑے ہوئے تھے ۔۔۔ چارے کے بغیر نرے پانی پر تھے ۔ ڈور گا ایک رات آیا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے ہوا میں سونگھا ہے کہ ایک اور بیل ختم ہو گیا ہے تو میں اسے لینے آیا ہوں اور دھروا نے کہا کہ نہیں ختم تو نہیں وہ ابھی سانس لیتا ہے تو ڈور گا نے کہا ۔ ختم ہو گیا ہے میں جانتا ہوں ۔ وہ اندر گیا اور باہر آیا تو اس

کے کاندھوں پر بیل کا آدھا دھڑ تھا ۔۔۔ دھروا کو اس پر شک تھا کہ بیل مرا نہیں تھا ابھی سانس لیتا تھا ۔۔۔ اس نے لنگ کے ایک ٹکڑے کو اٹھا کر آنکھوں سے لگایا اور پھر پھینک دیا ۔۔۔ جو لنگ مینہ نہ برسائے وہ کس کام کا ۔۔۔ اور ویسے ہی بیل ۔۔۔

آندھی کے بعد ایک روز سمرو گھاگھرا کو تکتا تھا تو اس نے دیکھا کہ پانی کا رنگ بدلا ہے اور اس کا بہاؤ کچھ تیز ہو رہا ہے اور اس میں پتے اور ٹہنیاں دکھائی دیتے ہیں جو دھلے ہوئے ہرے رنگ کے ہیں جو سمرو کی آنکھوں نے کئی برسوں سے نہ دیکھا تھا ۔ اس کا کلیجہ بُری طرح دھڑکا ۔۔۔ جُثہ پسینے سے بھیگنے لگا ۔۔۔ یہ میں کیا دیکھتا ہوں ، اس نے سر جھٹکا جیسے اسے شک ہو کہ وہ سوتے میں چلتا ہے اور دیکھتا ہے ۔ پر سوتے میں چلتے ہوئے اس نے جب بھی دیکھا دو اونچے خشک کناروں کو دیکھا جن کے درمیان ایک دھول سے اٹی گذرگاہ تھی جس میں دھوپ میں تپتی سیپیاں اور ٹھیکریاں تھیں اور ہر طرف ریت تھی اور جو برتن وہ آج دیکھتا تھا ان کی ٹھیکریاں کل میں وہ سوتے میں دیکھتا تھا ۔۔۔ اور پھر اس کی نظروں کے سامنے پانی کا بہاؤ اور تیز ہونے لگا ۔۔۔ پہاڑ پاسے پانی ابھرتا ہوا چلا آتا تھا اور اس پر جھاگ تھی اور آخر میں پانی کے بولنے کی آواز آئی ۔۔۔ بڑے پانی کے آنے کا آخری سندیسہ ۔۔۔ وہ اٹھا اور گھاگھرا سے منہ موڑ کر کنارے پر چلنے لگا ۔۔۔ اس کا سر جُھکا تھا اور وہ سوچتا تھا ۔ کبھی وہ مڑ کر دیکھ لیتا اور پھر یکدم اس نے بستی کی طرف بھاگنا شروع کر دیا ۔ جب وہ بڑی گلی میں داخل ہوا تو اس کا سانس چھوٹا ہو رہا تھا اور اس کے پاؤں پسینے میں بھیگتے زمین پر پڑتے تھے ۔ دو لاغر کتوں نے اسے سر اٹھا کر دیکھا دُم ہلانے کی کوشش کی اور پھر ڈھیر ہو گئے ۔

اس ویہڑے میں ورچن پیڑھی پر بیٹھا تھا اور وہ چولہے میں پھونک مارنے کو جھکی تھی جب سمرو آیا ۔ اسے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی ۔۔ ورچن بھی اٹھا ۔

"تمہارے پیچھے کون آتا ہے جو یوں ڈر میں بھاگتے آتے ہو ؟" ورچن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا سمرو یکدم بول نہ سکا ۔ پاروشنی نے کچھ نہ پوچھا ۔ اس نے انتظار کیا اور جب وہ جان گئی کہ اب وہ سنبھل کر کچھ کہہ سکتا ہے تو اس نے کہا ۔۔۔ "بول سمرو!"

"میں ادھر تھا ۔۔۔ کنارے پر ۔۔۔ اور مجھے یوں لگا کہ بڑے پانی آنے کو ہیں ۔۔۔"

پاروشنی کا سانس رکا ۔

ورچن نے تھوک نگل کر بے یقینی میں سر ہلایا ۔

"تم سوتے میں چلتے گئے ہو!"

"نہیں ۔۔۔" اس نے سر جھٹکا "میں وہاں کنارے پر اسے تکتا تھا ہر روز کی طرح ہر شام کی طرح ۔۔۔ ایسے تکتا تھا جیسے ۔۔۔ جیسے" اس نے پاروشنی کے دونوں کندھے پکڑ کر کہا "جیسے یہ تمہارا مہاندرہ ہے بھوک سے کملائے ہوئے بوٹے کی طرح گرتا ہوا ۔۔۔ اور اس ویہڑے کے کونے میں ریت کا وہ ڈھیر ہے جسے تم نے جھاڑو سے دھکیلا اس آندھی کے بعد ۔۔۔ ایسے ہی میں اسے تکتا تھا ۔۔۔"

"یہ ویسی باتیں ہیں جو تم کیا کرتے تھے جب میں تمہارے سامنے ہوتی تھی ۔۔" پاروشنی بولی پر دھیمے سے کہ وہ یہ اپنے آپ سے کہتی تھی ۔

"تو پہلے میں نے اس بے چینی کو دیکھا جو پانی میں کروٹیں بدلتی ہے جب اس میں بڑے پانی آنے کو ہوتے ہیں اور پھر بوٹے اور پتے اور جھاگ ۔۔۔ اور پھر دریا کی آواز"

"دریا بولا ؟" پاروشنی کو جیسے بچھو نے کاٹ لیا ۔

"ہاں ۔۔۔ وہ بول رہا ہے ۔۔۔" سمرو نے پاروشنی کو دیکھا یہ بھول کر کہ ورچن وہاں پر ہے ۔

"چلو ۔۔۔" وہ باہر نکل گئی ۔

وہ تینوں قدم تیز رکھتے تھے اور ان کے کلیجے دھڑکتے تھے ۔ ان کے سوا وہاں کوئی اور نہ تھا کیونکہ اب کوئی باہر نہیں نکلتا تھا ۔ کچی چار دیواریوں کے اندر وہ ٹیک لگائے بیٹھے رہتے تھے اور ان کے اندر بھوک سوکھتی تھی ۔۔۔ صرف ڈورگا ، ورچن ، سمرو ، اور پاروشنی ایسے تھے جو ابھی کھڑے تھے اور چلتے تھے ، اور جو کچھ ملتا اسے دوسروں تک پہنچاتے تھے باقی سب ڈھے گئے تھے ۔

سروٹوں کے قریب پہنچ کر وہ رکے اور پھر ان کے قدم ہولے ہولے اٹھنے لگے جیسے ڈرتے ہوں کہ آگے شاید وہ نہ ہو جو سمرو نے بتایا تھا اور اس نے یہ سب سوتے میں دیکھا تھا ، پر انہوں نے دیکھا ، ڈھلتی شام میں اور اس دھول میں جو بستی پر اور گھاگھرا پر ٹھہری ہوئی تھی اور اس میں ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح ٹھہراؤ کی بُو تھی ۔ اسی دھول میں دریا کی ہموار سطح میں سے ٹہنیاں اور پتے ڈوبتے ابھرتے تھے اور ان کے بہاؤ میں تیزی تھی اور کہیں جھاگ اور بلبلے تھے اور شائد دریا کی آواز بھی تھی ۔۔۔ ان کے جُتے ایسے کانپنے لگے جیسے وہ ابھی ماں کی کوکھ سے باہر آئے ہوں اور ان کی گیلاہٹ پر ہوا اثر کرتی ہو ۔۔۔ پھر پاروشنی کنارے سے نیچے اتری ۔ اسے پانی تک پہنچنے کے لئے دور تک چلنا پڑا ۔۔۔ اور جہاں پانی تھا وہاں دریا کی تہہ بھی دکھائی دیتی تھی اور جو پانی ذرا

گہرا تھا وہ کہیں بیچ میں تھا اور وہیں پر بہاؤ میں تیزی تھی ۔ پاروشنی نے آنکھیں بھینچ کر پانی کو دیکھا اور دیکھتی رہی جیسے اسے یاد کرتی ہو اسے اپنے اندر سنبھالتی ہو اور پھر وہ تھکے قدموں سے واپس آئی اور کہنے لگی "واپس چلو میرے چولہے میں رکھے اپلے دھواں دے رہے ہیں ۔۔۔"

وہ انہی قدموں پر واپس چلے گئے ۔

وہ ایک مرتبہ پھر چولہے پر جھکی اور ان اُپلوں کو پھونکیں مارنے لگی جن کے اندر کہیں کوئی جلن تھی پر ان کے اوپر راکھ سفید ہوتی تھی اور پھونک مارنے سے وہ راکھ اڑی اور اس کے سیاہ مہاندرے پر بیٹھنے لگی ۔۔۔ اس کے اندر بھی کہیں جلن تھی پر اوپر سے وہ سفید راکھ تھی اور یہ جو ورچن ہے اور سمرو ہے تو انہیں کبھی خیال نہیں آیا کہ ہم پھونک مار کر دیکھیں تو سہی ۔۔۔ دھواں کم ہوا تو اس نے اوپر دیکھا اور وہ دونوں اسے آنکھیں پھیلائے دیکھتے جا رہے تھے کہ تم جو ادھر کنارے سے اتری تھیں اور پانی کو دیکھ کر آئی تھیں تو اب بولو کہ وہ کیا تھا ۔۔۔ کچھ تھا یا وہ سب سوتے میں دیکھا تھا اور تب اس نے سمرو کے پنڈے پر ہتھیلی رکھ کر کہا "اوپر ۔۔۔ یہاں سے بہت دور کہیں منیہ برسا ہے اور اس کا پانی دریا کے بہاؤ کو تیز کرتا ہے اور ساتھ نہیں اور پتے لایا ہے پر یہ سب تھوڑی دیر کے لیے ہے ۔۔۔ اب جا کر دیکھ تو وہاں وہی پانی ہو گا جو پہلے تھا اور وہی بہاؤ ہو گا جو پہلے تھا ۔۔۔ ایسا پہلے بھی ہوتا تھا ۔۔۔ بڑے پانی جب آتے تھے تو وہ صاف اور ٹھنڈک کی تیزی کے ساتھ آتے تھے ۔۔۔ اور مینہ کا پانی گدلا ہوتا ہے اور میں نے اسے دیکھا تو جان لیا ۔۔۔"

اُپلوں کا دھواں ورچن کے کئی روز سے خالی پیٹ میں گیا تو مستی سے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں ۔ "تو یہ ایسے ہی تھا جیسے میں نے سب کچھ سوتے میں دیکھا ہو ۔۔۔" مایوسی سمرو پر ایک بھاری پتھر کا بوجھ ڈالتی تھی ۔

"پتہ نہیں ۔۔۔" پاروشنی نے سر ہلایا "ہم سوتے میں کیا دیکھتے اور جاگتے میں کیا دیکھتے ہیں اور ان دونوں میں سے وہ کونسا ہے جب ہماری آنکھیں کھلی ہوتی ہیں اور کب ان آنکھوں میں اندھیرا ہوتا ہے" ویہڑے کے ان ڈھکے حصے کے ایک کونے میں گھڑوں کی ایک پال تھی جس کے نچلے گھڑے کے گرد ریت کی تہہ تھی ۔ پاروشنی نے ادھر ہاتھ کیا "بیچ والا گھڑا لے آؤ اس میں تھوڑی کنک ہے"

سمرو اٹھ کر ادھر گیا اور ورچن نے دھوئیں کی مستی سے باہر آ کر اپنے آپ کو سنبھالا ۔

"تمہارے پاس اب بھی کچھ ہے ؟" ورچن بولا ۔

"نہیں ۔۔۔" پاروشنی بولی "کنک کے چند دانے ہیں جو میں نے سنبھالے ہوئے ہیں ۔۔۔ کھیتوں میں پانی آئے گا تو ہمیں ان کی ضرورت ہوگی ۔ ہم ان کو بوئیں گے اور پھر فصل ہوگی ، ہری بھری اور نرم سٹوں والی ۔۔۔"

سمرو گھڑے کی گردن پر ہتھیلیاں جمائے اسے اٹھالایا ۔ اور چولہے کے قریب رکھ دیا ۔۔۔ "یہ تو خالی لگتا ہے ۔۔۔" اس نے اس کے اندر ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا پر جب اس کی مٹھی باہر آئی تو اس میں تھوڑی سی کنک تھی ۔

"اس میں سے آدھی گھڑے میں رکھ دو ۔۔۔"

"آدھی ؟۔۔" سمرو حیران ہو کر بولا "ایک مٹھی کنک سے بھی ایک روٹی مشکل سے بنے گی تو آدھی مٹھی بچا کر تم کیا کرو گی ؟"

"میں نے ابھی بتایا ہے کہ جب کھیتوں میں پانی آئے گا تو ہمیں اس کی ضرورت ہوگی ۔۔۔ ہم اسے بوئیں گے"

سمرو نے فکر مندی سے ورچن کو دیکھا جو پہلے ہی پاروشنی کی بات سن کر دکھی ہوا تھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے ۔

"تم دونوں یہ سمجھ رہے کہ میں سر میں ذرا کچی ہو گئی ہوں ۔۔۔"

"نہیں ۔۔۔ لیکن ۔۔۔ دریا سوکھ رہا ہے ۔۔۔ اور اب کتنے دن اور رہے گا ؟ دو چار ماہ ۔۔۔ اور پھر کھیت ریت میں دب چکے ہیں اور ہمارے چھپر آندھی سے اڑ چکے ہیں اور نیچے ۔۔۔ سب کچھ تو گم ہونے کو ہے اور تم کہتی ہو کہ ہمیں اس آدھی مٹھی کنک کی ضرورت ہوگی ؟"

"ہاں ۔۔۔" پاروشنی کی آنکھیں جیسے جلتی تھیں ۔۔۔ "سب کچھ کبھی بھی گم نہیں ہوتا ۔۔۔ کھیت ہرے بھرے ہو جاتے ہیں اگر تمہارے پاس آدھی مٹھی کنک ہو تو ۔۔۔ اور تم اسے گھڑے میں ڈال دو"

سمرو نے مٹھی کھولی اور کنک کے دانے تیزی سے گھڑے میں گرنے لگے ۔۔۔ بقیہ آدھی مٹھی کو اس نے پاروشنی کی طرف بڑھا دیا ۔ اس نے کنک لی اور اسے پتھر پر پھیلا کر کوٹنے کے لئے مونگلی اٹھائی پر وہ بہت بھاری تھی ۔۔۔ اس نے بھی کئی دن سے کچھ نہیں کھایا تھا اور اس کے پیٹ میں صرف خالی پانی تھا جو اسے ڈھیلا اور بے بس کرتا تھا ۔

"سمرو تم کوٹو مجھ میں ہمت نہیں ۔۔۔"

سمرو اٹھا اور مونگلی اٹھا کر کنک کوٹنے لگا ۔۔۔ دانے کم تھے اور وہ بڑی مشکل سے نیچے آتے تھے ۔۔۔

وہ چھوٹی سی روٹی جس میں اُپلوں کی باس رچی ہوئی تھی اور ان کا دھواں اس کے مزے میں ملا ہوا تھا گرم تھی اور اس میں اس کنک کی مست مہک تھی جو کبھی ان کی بستی میں کال میں نہ تھی اور بہت تھی اور ان کے تالو سویر شام اس کے سواد سے ملتے تھے اور وہ ان کے اندر جاکر انہیں بھی مست کرتی تھی اور اب کتنے دنوں بعد اس کا سواد انہوں نے چکھا تھا ؟۔۔۔ اس کا حساب نہ تھا ۔۔۔ اور کیا یہ آخری سواد تھا ، گم ہونے سے پہلے کنک کا آخری سواد ۔۔۔ ان کے حصے دو دو بُرکیاں آئیں اور وہ تینوں سر جھکائے اسے غور سے دانتوں تلے چباتے رہے اور وہ اسے نگلتے نہیں تھے جب تک وہ خود بخود باریک ہو کر گلے میں سے پھسل کر ان کے جُثے میں نہیں چلی جاتی تھی ۔۔۔ اس آخری سواد نے ان کی ساری حیاتی بھی سامنے رکھی اور وہ اس میں بہت دیر گم رہے ۔ ایک دوسرے سے الگ ہو کر وہ پیچھے جاتے رہے اور واپس آتے رہے اور شام گہری ہو کر رات ہوئی اور اپلوں پر سفید راکھ کی تہہ موٹی ہوتی گئی ۔۔ اور پھر ان میں سے پاروشنی اٹھی اور اندر جاکر پانی کا بوکا بھر لائی ۔۔۔ انہوں نے سر جھکا کر چُلو آگے کئے اور بوکے سے پانی ان میں گر کر ان کے اندر بہتا گیا ۔۔۔

"پانی کا سواد بھی بدل رہا ہے ۔۔۔" سمرو نے سر اٹھایا۔

"ہاں ۔۔۔" پاروشنی نے بوکے کو سمرو کے اوپر لاکر ترچھا کیا اور بچا ہوا پانی اس کے منہ سر پر گرا "اس میں اب مٹی ہوتی ہے ۔۔۔"

ورچن نے تیوڑی چڑھا کر اوپر دیکھا "مٹی ؟"

"کنوئیں کی تہہ میں کیچڑ ہوتا ہے ۔۔۔ اور پانی نیچے ہو رہا ہے ۔۔۔ یہ بھی سوکھے گاگھا گھرا کی طرح ۔۔۔"

وہ تینوں رات کی سیاہی میں جہاں جہاں بیٹھے تھے گُم سُم بیٹھے رہے ۔ بہت دنوں بعد انہوں نے کچھ کھایا تھا اور اب ان کے سامنے آنے والے دنوں کی عجیب عجیب شکلیں بنتی تھیں ۔

"ہم یہاں اس بستی میں بیٹھے کیا کر رہے ہیں ؟" آخر ورچن ہی بولا "پرسوں ایسا ہوا کہ میں پکلی کے آوے کی طرف جا رہا تھا ڈور گا کے پاس تو پرے رکھوں اور آوے کے بیچ میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو نیچے کو جا رہے تھے جدھر دریا بہتا ہے اور انہوں نے کہا کہ پہلے وہ اوپر گئے تھے جدھر سے گھاگھرا آتا ہے اور وہاں جو دو چار بستیاں ہیں وہ لوگوں سے خالی ہیں اور ادھر کوئی

نہیں ۔۔۔ وہ سب وہاں سے جا چکے ہیں"

"کہاں ؟" پاروشنی بولی ۔

"ادھر ریت میں ۔۔۔ اس کے پار ۔۔۔ جہاں بھی پانی ہو وہاں ۔۔۔ اور صرف ہماری بستی ہے جس میں ابھی تک ہم مُردوں کی طرح پڑے ہیں اور اسے چھوڑتے نہیں ۔۔۔"

"میرے پاس آدھی مٹھی کنک ہے ۔۔۔" پاروشنی نے صرف اتنا کہا ۔۔۔

سمرو نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور ریت کو محسوس کیا، وہ اٹھا اور باہر آگیا ۔۔۔ رات گرم تھی اور سب کچھ جیسے ٹھہرا ہوا تھا اور سانس کہیں نہیں تھا ۔ وہ گلی میں سے نکل کر بستی سے باہر ہوا اور اپنے چھپر کے آگے سے گذر کر کنارے کی طرف مڑ گیا ۔۔۔ وہاں دریا کنارے جہاں وہ بیٹھا تھا ابھی تک ریت دبی ہوئی تھی پر اس وقت دریا دکھائی نہیں دیتا تھا پر وہ چپ تھا اس میں کوئی آواز نہ تھی وہ بولتا نہ تھا پاروشنی ٹھیک کہتی تھی کہ یہ مینہ کا پانی ہے جو چڑھتا ہے اور اتر جاتا ہے ۔ دریا نہیں دکھتا تھا لیکن وہ ٹاپو اس میں بڑے دکھتے تھے جو پہلے چھوٹے چھوٹے تھے ۔۔۔ اور وہ پانی میں سے جیسے باہر نکلتے تھے ۔۔۔ بڑے بڑے کچھوؤں کی طرح پانی میں بیٹھے تھے اور ان کی پشت ننگی ہوتی تھی اور وہ اب اپنے آپ کو ڈھکنا چاہتے تھے پر اتنا پانی نہیں تھا ۔

"میں یہاں کیا کر رہا ہوں ؟ ۔۔ جب یہاں سامنے صرف اونچے خشک کنارے ہوں گے اور ٹھیکریاں ہوں گی اور گھونگھے ہوں گے اور ان پر سورج چمکے گا اور آس پاس ریت ہی ریت ہوگی بے انت اور کوئی نہ جانے گا کہ یہاں ہم تھے ، میں تھا ، پاروشنی تھی ۔۔۔ بس یہ پاروشنی تھی جو روکتی تھی ۔ اس نے کبھی زبان سے تو نہ کہا تھا پر وہ جہاں ہوتی وہاں کی ہوا بھی رکتی ۔۔۔ اور پھر رات کی چپ تھی ۔ چیتر کی چاندنی پھیکی پڑتی تھی اور وہ دونوں بے سُدھ منہ کھولے ٹھنڈے اور تھکن سے ٹوٹتے سوتے تھے اور پاروشنی بازوؤں میں منہ رکھے اوندھی ہوتی تھی ۔۔۔ تب پہلی بار جھجھر میں پانی کم ہوا تھا اور تب اسے کچھ شک ہوا تھا ۔ اور اب گھاگھرا سوکھ رہا تھا اور وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا ہاتھ پر ہاتھ دھرے ۔۔۔ نہ وہ اسے چھوڑ سکتا تھا اور نہ اس کے پاس رہ سکتا تھا ۔۔۔ آج کنک کا آخری سواد چکھا تھا اور اب بس ۔ بستی کے کنویں اب مٹیالا پانی نکالتے تھے ، دو چار مہینوں میں مٹی بڑھے گی اور پانی کم ہوگا اور پھر صرف کیچڑ ہوگا تو پھر ۔۔۔ تو پھر ؟

"میں یہاں کیا کر رہا ہوں ؟" اس نے پھر اپنے آپ سے پوچھا "یہ بستی ہے جو بندے سے بڑھ کر ہے یا بندہ ہے جس کے لئے وہ بستی بنی ہے بلکہ وہ اسے بناتا ہے ۔۔۔ زمین کا ایک ٹکڑا بڑا ہے یا اس پر بسنے والا ایک بندہ ۔۔۔ اور جب زمین ختم ہو رہی ہو دریا سوکھ رہا ہو تو پھر ایک بندے کو

کیا کرنا چاہیے ؟ ۔۔۔ اور میں یہاں کیا کر رہا ہوں ؟ ۔۔۔"

رات گذرتی تھی پہلے یہ بھیگتی تھی پر اب یہ گرم ہوتی تھی اور سمرو کا سارا جسّہ پسینے میں تھا ۔۔۔ اس نے ریت کو ایڑیوں کے نیچے محسوس کیا ، ٹانگیں پھیلائیں اور بازو پر سر رکھ کر لیٹ گیا ۔۔ اس کے بدن کے نیچے ریت میں ابھی پانی کی گیلی گھلاوٹ باقی تھی ۔ اس نے پاسا پلٹ کر اپنی ناک کو ریت سے چھوا اور اس گھلاوٹ کو سونگھا اور اس کی نمی کو اپنے بدن میں اتارا ۔۔۔ اور پھر وہ اونگھنے لگا ۔ اس کا خیال تھا کہ شاید وہ سوتے میں پھر چلے پر وہ سویا رہا وہیں جہاں تھا ، وہ کہیں نہ گیا اور اس نے کچھ نہ دیکھا۔

سویر کی ہلکی ٹھنڈک ہوا میں بس آئی اور تیرتی ہوئی چلی گئی ، دریا پر ہلکی سفیدی لو دے رہی تھی اور اس کی آنکھ کھلی ۔۔۔ ایک گہرا سانس اس ہوا میں جس میں ہلکی ٹھنڈک بس آئی اور تیرتی چلی گئی اور وہ اٹھا اور پانی کی طرف چلنے لگا ۔۔۔ کنارے کے ساتھ پہنچ کر وہ جھکا پانی کو دیکھا اور پھر وہیں بیٹھ گیا ۔۔۔ یہ تو کوئی اور دریا تھا گھا گھرانہ تھا ۔۔۔ اتنا سست کہ اس کا بہاؤ دکھائی نہ دے اور ایسے لگے جیسے تھما ہوا ہے اور اتنا گدلا جیسے جوہڑ ہو اور پھر اتنا تھوڑا ہو جیسے کسی نے چند گھڑے پانی کے ریت پر انڈیل دیئے ہوں ۔۔۔ اس نے اپنا چہرہ پانی کے قریب کیا اس کی سطح پر دو چار پھونکیں مار کر اسے صاف کیا اور پھر منہ دھونے لگا ۔۔۔ وہ اس پانی کو آنکھوں میں ڈالتے ہوئے جھجکا کہ یہ ذرا زیادہ گدلا دکھائی دیتا تھا ۔

سویر کی سفیدی گھلنے لگی تو پانی کی سطح بھی دور تک دکھائی دینے لگی ۔

سمرو وہیں بیٹھا رہا اور کبھی کبھار وہ کوئی کنکر اٹھا کر زور سے دریا کے بیچ پھینکنے کی کوشش کرتا ۔۔۔ یا کسی ٹھیکری کو پانی کے اوپر ایسے پھینکتا کہ وہ سطح کو چھوتی اچھلتی دور تک جاتی اور پھر ڈوب جاتی ۔۔ اور کبھی وہ سروٹوں کے چھلکے اور تنکے اٹھا کر ہتھیلی پر مسلتا اور پھر انہیں پانی پر رکھتا جاتا ۔۔۔

"کیا یہ آخری سواد تھا" ؟ ۔۔۔ اس نے پھر اپنے آپ سے پوچھا ۔۔۔

بستی کے اوپر آسمان اپلوں کے دھوئیں سے خالی تھا ۔۔۔ جیسے وہاں کوئی نہ ہو ۔۔۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا ۔۔۔ پھر اس نے کچھ دیکھا اور وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے پھر بیٹھ گیا اور پانی کو غور سے دیکھا ۔۔۔ وہ تنکے اور چھلکے جو اس نے تھوڑی دیر پہلے پانی پر رکھے تھے ۔۔۔ ابھی تک وہیں تھے ۔۔۔ اسی جگہ ۔۔۔ بہہ کر آگے نہیں گئے تھے ۔۔۔ کیونکہ بہاؤ رک گیا تھا ۔۔۔ پانی بس وہیں تھا جہاں تھا ۔۔۔

"یہ آخری سواد ہے" ۔۔۔ سمرو نے پانی کی سطح پر ڈولتے مگر ایک ہی جگہ ٹھہرے ہوئے تنکوں کو رکی ہوئی سانس کے ساتھ دیکھا۔۔۔ "ہاں اس رات جھجھر میں اتنا پانی نہیں تھا جتنا ہونا چاہیے تھا ۔۔۔"